⊙ شوکت نعیم قادری
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
⊙⊙ ڈاکٹر سید عامر سہیل
صدر نشین شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

زوار حسین [مصور] ۔ پاکستان کے ابتدائی نثری نظم نگار

Abstract:

Zawar Hussain is a well known painter, calligraphist and sculptor. Lahore museum owns four of his marvelous paintings. Tree is the basic symbol of his art work. Besides art work he is a well versed poet (prose poetry, Ghazal and free verse) and prose writer. There are 11 books (Poetry+Prose) at his credit. Prose poetry is a new form of expression in Urdu literature. Zawar Hussain was one of the pioneers of prose poetry. His book "Haroof" is one of the early works done in this filed.

Keywords:

Painter, Calligraphist, Sculptor, Poetry, Prose Poetry, Haroof

زوار حسین (۷ستمبر ۱۹۳۰ء۔۲ دسمبر ۲۰۰۳ء) ملتان کے نامور مصور، خطاط، مجسمہ ساز، ادیب، شاعر اور مفکر تھے جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے نہ صرف بصری فنون کو درخشاں کیا بلکہ ادب کے میدان میں بھی مختلف اصناف کو منور کیا۔ مصوری اور شاعری میں ان کی بنیادی علامت ''درخت'' ہے جس کے ذریعے انھوں نے اپنے تخلیقی تجربات کو رنگ و لفظ کا روپ دیا۔ نثری نظم کے حوالے سے بھی ان کا شمار اوّلین بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔ اس مقالہ میں مختصراً نثری نظم کے بین الاقوامی تناظر، برِصغیر میں اس کی شروعات، پاکستان میں اس صنف کے فروغ کی مساعی کے ذکر کے بعد، زوار حسین کے حالاتِ زندگی اور ان کی نثری نظم نگاری کا جائزہ لیا جائے گا۔

تاریخ ادبِ عالیہ کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نثری نظم ایک نوعمر صنفِ ادب ہے اور اس کی ابتدا انیسویں صدی عیسوی میں فرانس کی سرزمین سے ہوئی، مگر آذر حفیظ چار سو سال قبل مسیحؑ کے ایک چینی شاعر سنگ یو کی ایک نثری نظم ''ہوا'' کے متعلق بتاتے ہیں، جسے Arthur Waley نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور آذر حفیظ ہی نے اسے

اُردو کے قالب میں ڈھالا (۱)۔ اس نظم میں ترقی پسندی کا ابتدائی رجحان نظر آتا ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں ہندوستان میں سنسکرت ناٹک نگار باش Bhas کا ناٹک ''رویا'' نثری شاعری میں تھا (۲)۔ کتاب مقدس The Holy Bible میں شامل ''زبور'' اور ''غزل الغزلات'' کی کتب بھی نثری شاعری کا انداز لیے ہوئے ہیں (۳)۔ ڈاکٹر منیر الدین احمد (۴) اور محمد سلیم الرحمان (۵) کو قرآنِ کریم کے اسلوب میں نثری شاعری کا آہنگ نظر آتا ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں جرمنی میں سالومن گیسنر Salomon Gessner (۱۷۳۰ء۔۱۷۸۸ء)، گوئٹے Goette (۱۷۴۹ء۔۱۸۳۲ء)، ہائینے Heine (۱۷۹۷ء۔۱۸۵۶ء) اور گیورگ بیوخنر (GeorgBuchner)، (۱۸۱۳ء۔۱۸۳۷ء) وغیرہ نے نثری نظمیں لکھیں۔ فریڈرخ نطشے Friedrich Nietzsche (۱۸۴۴ء۔۱۹۰۰ء) نے بھی ''پھر زرتشت نے فرمایا'' (Thus Spoke Zaratheistra, 1883) میں نثری شاعری کا اُسلوب اختیار کیا (۶)۔ فرانس میں الوے سیوس برتراں Aloysius Bertrand (۱۸۰۷ء۔۱۸۴۱ء) نے سب سے پہلے اس صنف کو برتا۔ اس کی کتاب Fantasies Gaspard de La Nust (۱۸۴۴ء) نثری نظموں کا مجموعہ ہے (۷)۔ شارل بودلیئر Charles Baudelaire (۱۸۲۱ء۔۱۸۶۷ء) کی نثری نظموں کا مجموعہ (مختصر نثری نظمیں) Les Petits Poems in Prose اس کی وفات کے بعد ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا (۸)۔

روس میں نثری نظم نگاری کا خیال سب سے پہلے لیو طالسطائی Leo Tolstoy (۱۸۲۸ء۔۱۹۱۰ء) کو آیا۔ اس نے ایک نثری نظم اپنے بوڑھے ملازم کے نام سے اخبار میں چھپنے کے لیے بھیجی۔ اخبار نے نظم کو غیر معیاری کہہ کر چھاپنے سے انکار کر دیا۔ طالسطائی نے اس بات کا اظہار آئیون ترگنیف Ivon Turgenev (۱۸۱۸ء۔۱۸۸۳ء) سے کیا (۹)۔ اس نے چھوٹی چھوٹی نثری نظمیں لکھیں اور انھیں ۱۸۷۸ء میں Senilia (Poems in Prose) کے نام سے شائع کیا (۱۰)۔ فرانس میں آرتھر راں بو Arthur Rimbaud (۱۸۵۴ء۔۱۸۹۱ء) نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اس صنفِ ادب کو عروج بخشا۔ اس کی شاعری کا پہلا مجموعہ Les Illuminaion ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا (۱۱)۔ اس کے بعد آسکر وائلڈ، ایمی لوویل، ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، پیٹر ریڈ گرو اور ڈیوڈ ویول جیسے ادیب اس صنف کی طرف متوجہ ہوئے (۱۲)۔ جاپانی نثری نظم نگاری یونی لیوگوشی کی پانچ نثری نظموں کا ترجمہ منٹو نے کیا (۱۳)۔

یہ نثری نظم نگاری کا بین الاقوامی تناظر تھا۔ اب برِصغیر میں اُردو زبان و ادب میں اس صنف کے ابتدائی آثار اور ارتقائی سفر کا جائزہ لیتے ہیں۔ خطوطِ غالب اور مولانا محمد حسین آزاد کی تحاریر میں ایسے بہت سے اقتباسات مل جاتے ہیں۔ جن میں نثری نظم کا اُسلوب نظر آتا ہے۔ رومانوی نثر نگاروں نے بھی اس انداز سے لکھا۔ ان رومانوی نثر نگاروں میں سیّد سجاد حیدر یلدرم، مجنوں گورکھ پوری، علامہ نیاز فتح پوری اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نمایاں ہیں۔ کرشن چندر کی نثر کے بہت سے ٹکڑوں میں نثری نظم کا انداز ملتا ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری نے رابندر ناتھ ٹیگور کی شعری تصنیف ''گیتا نجلی'' کا ترجمہ ''عرضِ نغمہ'' کے عنوان سے ۱۹۱۴ء میں کیا۔ یہ ترجمہ انگریزی سے اُردو میں کیا گیا۔ نثری نظم نگاری کے حوالے سے یہ ایک رجحان ساز کام تھا۔

جوش ملیح آبادی، ٹیگور سے متاثر ہو کر سب سے پہلے نثری نظم کی جانب متوجہ ہوئے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''روحِ ادب'' ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ جس میں پینتالیس نثری نظمیں شامل ہیں۔ مگر جوش نے انھیں ''نثر'' اور ''مضامین'' کہا(۱۴)۔ اس کے بعد غلام عباس نے آسکر وائلڈ کی نثری نظم کا ترجمہ ''چشمہ'' کے عنوان سے کیا۔ محمد دین تاثیر کی دو تخلیقات ''دوشیزگی'' اور ''آخری گیت'' کے عنوان سے سامنے آئیں۔ م حسن لطیفی کی کتاب ''نکہتِ رائیگاں'' لاہور سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں طبع زاد اور مترجم نثر پارے شامل تھے۔ لطیفی نے پہلی بار اپنی تخلیقات کو ''شعرِ منثور'' کا نام دیا(۱۵)۔ اسی زمانے میں سعادت حسن منٹو نے چیلنج سمجھ کر تجرباتی طور پر ایک نثری نظم ''زندگی'' لکھی (۱۶)۔ راشد نے ''دایاں بازو'' اور ''پیریڈ'' کے عنوان سے دو نثری نظمیں لکھیں (۱۷)۔ احمد ہمیش نے ایک مصاحبے میں اُردو نثری نظم کی بنیاد رکھنے کا دعویٰ کیا:

> ''۱۹۶۰ء میں، میں نے اُردو نثری نظم کی بنیاد رکھی۔ میں نے جو نثری نظم میں ۱۹۶۰ء میں کہیں وہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئیں۔ میری پہلی نثری نظم تھیہ بھی ایک دائری''۔ (۱۸)

مبارک احمد نے پہلی نثری نظم ''میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں'' ۱۹۶۳ء میں لکھی جو ان کی تصنیف ''زمانہ عدالت نہیں'' میں شامل ہے۔ یہ تصنیف ۱۹۶۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی (۱۹)۔ سیّد سجاد ظہیر نے اپنی نثری نظموں کا مجموعہ ''پگھلا نیلم'' ۱۹۶۴ء میں ہندوستان سے شایع کی۔ اس کی پہلی پاکستانی اشاعت ۱۹۷۴ء میں عمل میں آئی۔ اس مجموعے میں اڑتیس نثری نظمیں شامل ہیں (۲۰)۔

۱۹۷۳ء۔۱۹۷۴ء میں سعادت سعید بھی نثری نظمیں لکھ رہے تھے (۲۱)۔ ڈاکٹر فخر الحق نوری کا دعویٰ ہے کہ پاکستان میں نثری نظموں کا اولین مجموعہ ''اپنے لیے اور دوستوں کے لیے نظمیں'' ہے، جسے عبدالرشید نے ۱۹۷۴ء میں لاہور سے شائع کیا گیا(۲۲)۔

زوار حسین کی نثری نظموں کا اولین مجموعہ ''حروف'' ہے، جسے انھوں نے ۱۹۷۲ء میں ہم درد پرنٹنگ پریس، ملتان سے شائع کیا۔ یہ مجموعہ محض ستر کی تعداد میں شائع ہوا۔ ۱۱۶ صفحات پر مشتمل اس تصنیف میں ۳۴ نثری نظمیں شامل ہیں۔ ڈاکٹر اسلم انصاری نے ''حرف و بیان'' کے عنوان سے اس کا تعارف لکھا اور زوار حسین نے پانچ صفحات پر مشتمل بلاعنوان دیباچہ لکھا۔ اگر ہم ڈاکٹر فخر الحق نوری کے دعویٰ کو سامنے رکھیں تو زوار حسین پاکستان کے ابتدائی (تاریخی اعتبار سے مبارک احمد کے بعد دوسرے) صاحبِ تصنیف نثری نظم نگاروں میں شامل ہیں۔

مخدوم منور ''نثری نظم'' کو ایک تحریک کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اُردو ادب کی تحریکات میں سر سید تحریک، ترقی پسند تحریک، جدید نظم کی تحریک اور نثری نظم کی تحریک شامل ہیں (۲۳)۔

اب اس صنف ادب کے نام پر نظر ڈالتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اسے ''نثرِ لطیف'' کا نام دیا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے نثر اور نظم کے الفاظ کو ملا کر ایک نئی اصطلاح 'نثم' وضع کی۔ پھر اسے نظمِ منثور، شعرِ منثور، ادبِ لطیف، انشائے لطیف، غیر عروضی شاعری اور ذراتِ درخشاں بھی کہا گیا(۲۴) مگر انگریزی ترکیب Prose Poem کا سادہ اُردو ترجمہ 'نثری نظم' رواج پا گیا۔

نثری نظم کو تخلیق کاروں کی ایک پوری کھیپ میسر آئی، جن میں قمر جمیل، عارف، عبدالمتین، رئیس فروغ، احمد ہمیش، مبارک احمد، آذر حفیظ، رشید امجد، قمر تحسین، مسعود منور، حفیظ صدیقی، ثروت حسین، فاطمہ حسن، طارق جامی، نسرین انجم بھٹی، انوپا، انجم ترازی، سیما خان اور کزئی، گل صدیقی، شائستہ حبیب، سید ساجد، عذرا عباس، سید جلیل ہاشمی، روش تحسین، مخدوم منور، سارا شگفتہ، افضال احمد سید، تنویر انجم، ذی شان ساحل، سعید الدین، سعادت سعید، ساقی فاروقی، اقبال فریدی، شاہد اختر، عبدالرشید، محمود کنور، شاہدہ حسن، انور سن رائے، احمد ضیا، جمال احسانی، محمد سلیم الرحمٰن، زوار حسین، روش ندیم، خالد ریاض خالد، شاہد زبیر اور ساحر شفیق شامل ہیں۔ یہ تو محض چند نام ہیں وگرنہ اس صنف سخن نے بے شمار تخلیق کاروں کی توجہ حاصل کی۔

اب مختصراً زوار حسین کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ زوار حسین ۷ ستمبر بہ روز اتوار، سات بجے شام سن ۱۹۳۰ء میں ریل وے روڈ (موجودہ اکبر روڈ) پر واقع شیروں والے لال مکان (۲۵) محلّہ سدو حسام، ملتان میں پیدا ہوئے (۲۶)۔ ان کے والد کا نام میاں نور محمد کربلائی تھا۔ وہ جھنگ کے ایک راج پوت، تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۸ء میں محکمہ ریل وے میں ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے دوران میں وہ مختلف شہروں مثلاً لاہور، فیروز پور، کوئٹہ اور سبی میں تعینات رہے۔ وہ زمانہ تحریکات کا زمانہ تھا۔ میاں نور محمد کربلائی ۱۹۳۸ء میں ملازمت سے دست بردار ہو کر خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے۔ اپنی اعلیٰ کارکردگی کے باعث پہلے وہ خاکسار تحریک، پنجاب کے ناظم اعلیٰ، پھر نائب ناظمِ اعلیٰ ہند مقرر کر دیے گئے۔ تحریک کے خاتمے کے بعد انھوں نے مستقل طور پر ملتان میں سکونت اختیار کر لی۔ بعدازاں حکومتِ پنجاب نے انھیں ملتان شہر کا اعزازی ناظم بنا دیا۔ زوار حسین کی والدہ کا نام کنیز فاطمہ تھا۔ میاں نور محمد کربلائی اور کنیز فاطمہ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ زوار حسین سب سے بڑے تھے (۲۷)۔

زوار حسین کو اپنے والد کے ساتھ برِصغیر کے مختلف شہروں (بہ شمول سری نگر، کشمیر) دیکھنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے وہ فطرت کا مطالعہ کر سکے۔ زوار حسین دس برس کی عمر میں مصوری کی طرف مائل ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں وہ کیمل سکن انڈسٹری کی طرف متوجہ ہوئے اور کیمل سکن کو مُصور کیا۔ ۱۹۵۲ء میں انھیں میو اسکول آف آرٹس میں ایک پرائیویٹ طالبِ علم کی حیثیت سے داخلہ مل گیا (۲۸)۔ جہاں شیخ احمد اور ان کی برطانوی نژاد اہلیہ اینا مولکا احمد (۱۹۱۷ء۔۱۹۹۴ء) ان کے اساتذہ تھے (۲۹)۔ انھوں نے کیلیکو پرنٹنگ اسکول، شاہدرہ، لاہور سے بہ حیثیت ایک نجی طالب علم کپڑے کی رنگائی اور چھپائی کا چار سالہ کورس دو ماہ میں مکمل کیا (۳۰)۔

زوار حسین کی شادی ۱۹۶۰ء میں شہناز اعوان سے ہوئی (۳۱)۔ ۱۹۶۷ء میں ان کا بیٹا موسیٰ رضا پیدا ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں یہ شادی ناکام ہو گئی (۳۲)۔ آخری عمر میں زوار حسین، تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے (۳۳) اور ۲ دسمبر بروز منگل ۲۰۰۳ء صبح ۱۱ بجے انتقال کر گئے (۳۴)۔

زوار حسین کی تصانیف (تاریخی ترتیب سے):

(الف) شعری تصانیف:

۱۔ حروف، ناشر: زوار حسین، ملتان۱۹۷۲ء

۲۔ شاخِ ویرانۂ دل، مکتبۂ شجر، ملتان۱۹۸۵ء

۳۔ اکیلی ہوا، کتاب نگر، ملتان۱۹۹۹ء

۴۔ اطرافِ خیال، مکتبۂ شجر، ملتان۲۰۰۴ء

۵۔ زینۂ احساس، سخن ورفورم، ملتان۲۰۱۲ء

(ب) نثری تصانیف:

۱۔ جدید آہنگِ تخلیق، ادارہ طرحِ نو، ملتان ۱۹۶۸ء

۲۔ افکار، ادارہ طرحِ نو، ملتان۱۹۶۸ء

۳۔ مقالات برائے امن، ادارہ طرحِ نو، ملتان۱۹۶۸ء

۴۔ سلیقۂ زیست، ادارہ طرحِ نو، ملتان۱۹۶۸ء

۵۔ تہذیب، بیکن بکس، ملتان۲۰۰۰ء

۶۔ سیکولر نظامِ افکار، مکتبۂ شجر، ملتان۲۰۰۴ء

۷۔ مصوری (دنیائے تصویر کی تحریری جمالیات) غیر مطبوعہ

زوار حسین کی تین تصانیف نثری نظموں پر مشتمل ہیں۔(۱) حروف، (۲) اکیلی ہوا، (۳) زینۂ احساس (اس تصنیف میں ۲۹ نثری نظمیں، کم و بیش متنی تبدیلیوں کے ساتھ حروف سے منتخب کی گئی ہیں، جب کہ ۲۱ نئی نظمیں شامل کی گئی ہیں)۔

زوار حسین بنیادی طور پر مصور تھے۔ ان کی دیگر تخلیقی جہات میں یہ صلاحیت معاونت کرتی دکھائی دیتی ہے۔ تخلیق کاروں کے لیے فطرت (Nature) ہمیشہ ہی سے ایک پُرکشش موضوع رہا ہے۔ فطرت سے مراد وہ عالمِ طبیعی جس کی تخلیق میں انسانی کاوشوں کا کوئی دخل نہ ہو۔ انسان بہ ذاتِ خود عالمِ طبیعی کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ فطرت نگاری میں ایک تخلیق کار اپنے غائر مطالعے اور مشاہدے کے بعد اس کی معنویت کا تخلیقی اظہار کرتا ہے۔

زوار حسین کی ایک نثری نظم ''نرگس'' ہے۔ نرگس کا پھول آنکھ سے ملتی جلتی اپنی شباہت کے باعث ہمیشہ ہی سے تخلیق کاروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ یہ پھول زمین کی نم ناک بارگاہ سے نمو پاتا ہوا سرسبز پتوں کے درمیان نمودار ہوتا ہے۔ نظم نگار اسے زمین کی بارگاہ کا سفیر کہتا ہے، جو ہمیں زیرِ زمین کی خبر دیتا ہے اور ایک اداس ملکہ حسن کی سیاہ آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ کسی عاشقِ صادق کی منتظر آنکھیں بن جاتا ہے:

زمین کی بے نام بارگاہ
کا

یہ سفیر
روحِ تخلیق کا معطر سانس بن کر

زرد
موہوم آرزوؤں میں گھری ہوئی
ایک اداس ملکۂ حسن
کی سیاہ نم ناک
آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے

خلا ایک ایسا فطری مظہر ہے جو اہلِ نظر کے لیے پر کشش ہے۔ ادیانِ عالم نے خالقِ حقیقی کے مکاں یا لامکاں کو ہمیشہ آسمانوں ہی میں دیکھا ہے۔ پھر ارواح بھی اجسام کی قید سے آزاد ہو کر آسمانوں کی جانب پرواز کر جاتی ہے، اس لیے نظم ''خلا'' میں نظم نگار خلا کو روح کا 'نا محسوس معبد' کہتا ہے۔ یہ ہماری نگاہوں سے دور مصدرِ ارواحِ افلاک ہے۔ خلا 'موجود کا ناموجود' ہے۔ خلا اور روح دونوں غیر مرئی ہیں۔ روح کے رخصت ہونے کے بعد جسم میں بھی خلا جنم لیتا ہے۔

یہ
محوِ خواب
عفریتِ ازل
جسے تم
اپنے جسم کی بے شکل روح سمجھتے ہو
غبارِ کہکشاں میں لپٹی ہوئی
تمہاری روح کی
بے اماں جسامت ہے

نثری نظم ''غروب'' میں غروبِ آفتاب کا منظر ایک انوکھے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ''غروب'' درحقیقت پُر جلال روشنی کے منبع کی مرگ ہے یعنی 'مرگِ خورشید' ہے۔ نظم نگار کہتا ہے اس سے پیش تر کہ انجان اندھیرے روشنی کو ہلاک کریں، خوش دلی سے اسے رخصت کرو۔ اندھیرے کا خوف انسان کے اجتماعی لاشعور میں موجود ہے۔

یہ
وقت
روشنی کا وقتِ رخصت ہے
طویل خم دار پرچھائیوں کے جلو میں
مرگِ خورشید کا نوحہ کرو

نثری نظم ''ریگ صحرا کے بالمقابل'' میں نظم نگار صحرا کی ریگ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ریت کے ذراتِ بہ یک وقت انتہائی قریب بھی ہیں اور جدا جدا بھی۔ نظم نگار اپنے تعلقِ خاطر کو اسی مظہر کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، پھر ریگِ صحرا تہذیبوں کے عروج و زوال کی شاہد ہے۔

ریگ کے مغرور سینے پر
ہماری عادات کے خوش عناں قافلے
بے خطر چلتے رہے ہیں
بے خطا چلتے رہیں گے

فطرت سے ہم کلامی کے حوالے سے زوار حسین کی بہت سی نثری نظمیں ہیں جن میں سے آرایشِ گل، اے وسعتِ آفاق، سیلابِ نور، ہوا، اکیلی ہوا، ستارے اور ہوا، اولین رنگوں کی خودستائی، نامعلوم تاریکی سے پیش تر اور زمینی ''محبت کا صحیفہ'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

شاعرانہ تعلّی، ایک اصطلاح ہے۔ جب کوئی شاعر کلام میں اپنی اور اپنے کلام کی توصیف بیان کرے تو اسے شاعرانہ تعلّی کہتے ہیں۔ شاعرانہ تعلّی خود توصیفی نہیں بل کہ ایک تخلیق کار کی خود اعتمادی کو ظاہر کرتی ہے اور خود اعتمادی یقیناً ایک مثبت صفت ہے۔ ان کی تصنیف ''حروف'' کی پہلی اور بلاعنوان نظم شاعرانہ تعلّی کا تاثر لیے ہوئے ہے۔ نظم نگار کہتا ہے کہ وہ انسانی خواہشات و آرزوؤں سے بھرپور نظمیں لکھ رہا ہے۔ یہ آفاقی آرزوئیں انسان کو سہارا دے کر اٹھا کھڑا کریں گی:

سیاہ و سبز
محکم آیات
کے بین السطور
آدم انگیز آرزؤں
کے حرف لکھتا ہوں

اسی حوالے سے نثری نظم'' مُکالمہٗ فن'' کا یہ ٹکڑا بھی بہت معنی خیز ہے:

حروف
جو
عالمِ امکان کی علامت ہیں
میں
ان حروف کی مدد سے
مُکالمہٗ ہست و بود کی تدوین کیوں نہ کروں؟

صنعت تلمیح ایک ایسا اسلوب بیان ہے جس سے خیال کی ترسیل، سہل تر ہوجاتی ہے۔ علم بیان کی رو سے جب کلام (نظم و نثر) میں کسی قرآنی آیت، حدیث نبویﷺ، ضرب المثل کسی تاریخی یا نیم تاریخی واقعہ، کسی مشہور شخص، جگہ یا چیز اور اصطلاح کا ذکر مختصراً آئے کہ پورا تناظر آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو اس تکنیک کو 'تلمیح' کہتے ہیں۔ زوار حسین کی نثری نظموں میں چند تلمیحات بھی موجود ہیں۔ ان کی ایک نظم بہ عنوان ''عمر خیام'' ایک تلمیحی نظم ہے جس میں عمر خیام کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

خیام!
قیصرِ بادۂ شب
خالقِ روحِ طرب
حکمتِ زیست کا ناقد
عمر خیام
خوش نظر چہرہ ءامروز
مرگِ افکارِ قدیم
خیام!

نثری نظمیں ''گھڑے کا راز'' اور ''رات کے حصار کا سامانِ ہجر'' سوہنی اور مہیوال کی داستانِ عشق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

علامت ایک ایسا لفظ ہے جس سے ایک خاص قسم کا تصور (یا تصویر) وابستہ ہوتا ہے اور یہ لفظ کسی خاص حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر شاعر اپنی تخلیقی صلاحیت کو بروے کار لا کر خود اپنی علامات تراشتا ہے، اگر علامات ذاتی ہوں تو انھیں قابلِ فہم ہونا چاہیے اور اگر روایتی ہوں تو ان میں جدت ہونی چاہیے۔ علامات سبک ہونی چاہییں تا کہ ابلاغ میں رکاوٹ نہ ہو۔ زوار حسین کے ہاں لڑکی کا کردار بھی ایک علامت کے طور پر ابھرتا ہے، جو بہت زیادہ متحرک اور بے باک نہیں ہے بل کہ یہ کردار سادہ، معصوم، سچا اور پرسکون ہے جو، زندگی کی مانند دھیرے دھیرے آگے بڑھتا ہے۔ ایک لڑکی کی زندگی میں رنگوں کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ سفید رنگ تقدیس اور پاکیزگی کی علامت ہے۔ گہری سرخ چادر پر سفید پھول گہری محبت کو ظاہر کرتے ہیں۔

سیہ نوکیلے خد و خال کی مالک لڑکی
نہیں سمجھ سکتی
کہ اسے چمپا کے سفید پھولوں سے کیا نسبت ہے
اور پھر یہ سفید پھول اس کی گہری سرخ چادر سے کیا تعلق رکھتے ہیں
ساری زندگی گزارے کے بعد
وہ سچائی جو اس کی اپنی ذات میں پنہاں ہے
شاید وہ اسے اپنے طور پر دریافت نہ کر سکے

(سیہ، سفید اور سرخ)

نظم ''زندگی'' میں زوار حسین نے زندگی کو ایک خانہ بہ دوش لڑکی سے تشبیہ دی ہے، یعنی زندگی، اس دنیا میں ہر جگہ نمو پاتی ہے۔ ایک لڑکی میں حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے۔

زندگی!

ایک خانہ بہ دوش دوشیرہ کی مانند ہے
جو جنگل کی مُردہ شاخوں کو جلا کر زندہ رہتی ہے

قمر جمیل کے یہاں لڑکی کا علامتی کردار زیادہ متحرک، شوخ و شنگ، مضبوط اور محبت کرنے والا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ کردار زندگی کے بہتر امکانات کی علامت ہے۔ ریت کی علامت بڑی معنی خیز ہے۔ ریت ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں ہم نہ صرف اپنے ماضی کو دیکھ سکتے ہیں بل کہ اسی ماضی سے سیکھ کر تابناک مستقبل کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ ریت، وقت یا ماضی کی ایک مرئی شکل اور فطرت کا ایک دل فریب اور پُر اسرار مظہر ہے۔ نظم ''ریگِ صحرا کے بالمقابل'' میں 'ریگ کے مغرور سینے پر' ایک پُر معنی سطر ہے۔ انسان اس مغرور سینے پر ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔ ریت اپنے سینہ میں کتنے یگانہ روزگار افراد اور ترقی یافتہ تہذیبوں کو دفن کر چکی ہے اور یہ سلسلہ تا ابد جاری و ساری رہے گا۔

نگاہ کے
مختلف مراکز پر
محبت کے سانحات جاری رہیں گے
ریگ کے مغرور سینے پر
ہماری عادات کے خوش عناں قافلے
بے خطر چلتے رہے ہیں
بے خطا چلتے رہیں گے

راشدؔ کے یہاں بھی 'ریت' کی علامت بڑی معنی خیز ہے۔ آخر میں نثری شاعری کے حوالے سے زوار حسین کی رائے دیکھیے:

> ''میرے نزدیک شاعری سے مراد لازمی طور پر قافیہ پیمائی نہیں بل کہ آفاقی مطالب کا حامل شاعرانہ طرزِ احساس ہے جو حقیقت کے تہ نشیں ادراک اور حُسن کے صریح الاثر مفاہیم کے باعث ہر دور میں حسبِ موقع فنی اظہار کی مخصوص روشوں کو ایجاد کرتا رہتا ہے۔''(۳۵)

حوالہ جات

۱۔ رئیس فروغ، دیباچہ: نثری نظم کے آہنگ میں، مشمولہ: نثری نظم کی تحریک، از: مخدوم منور، (کراچی: ادبی معیار پبلی کیشنز، ۱۵/اگست ۱۹۷۹ء)، ص ۶۔۸

۲۔ احمد ہمیش سے مکالمہ، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، اکتوبر ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء)، جلد: ۱۸، شمارہ: ۷۷۔۷۸، ص ۳۷۲

۳۔ نسرین انجم بھٹی سے مکالمہ، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، جلد: ۱۸، شمارہ: ۷۷۔۷۸، ص ۳۹۷

۴۔ منیر الدین احمد، پیش لفظ: اُردو میں نئی نظم، از: مقصود ایس۔ اے۔ حسنی (قصور: یوبی پبلی کیشنز، مئی ۱۹۹۳ء)، ص ۷

۵۔ محمد سلیم الرحمان، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، جلد: ۱۸، شمارہ: ۷۷۔۷۸، ص۱۴

۶۔ منیر الدین احمد، پیش لفظ: اُردو میں نئی نظم، از: مقصود الیس۔اے۔حسنی، ص۱۳

٧. The Penguin Dictionary of Literary Terms, J.A. Cuddon, Penguin Books, Ltd. London, England 1998, P. 703

۸۔ لئیق بابری، پیرس کا کرب، (لاہور: مجلس ترقی ادب، اپریل ۱۹۸۲ء)، ص۲۸

۹۔ شہزاد منظر، اسد فیض، منٹو کی گم شدہ تحریریں، (کراچی: ظفر اکیڈمی، ستمبر ۲۰۱۴ء)، مرتبہ، ص۱۵۰

۱۰. www.encyclopedia.com

۱۱۔ انیس ناگی، جہنم میں ایک موسم، (لاہور: مکتبہ جمالیات، ۱۹۸۱ء)، ترجمہ، ص۶۱۔۶۲

۱۲. The Penguin Dictionary of Literary Terms, P.703

۱۳۔ شہزاد منظر، اسد فیض، منٹو کی گم شدہ تحریریں، ص۱۵۰

۱۴۔ محمد فخر الحق نوری، نثری نظم، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء)، ص۸۲

۱۵۔ ایضاً، ص۸۴

۱۶۔ سعادت حسن منٹو، زندگی، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، جلد: ۱۸، شمارہ: ۷۷۔۷۸، ص۲۲۷

۱۷۔ مخدوم منور، نثری نظم کی تحریک، (کراچی: ادبی معیار پبلی کیشنز، ۱۵/اگست، ۱۹۷۹ء)، ص۵۳۔۵۴

۱۸۔ احمد ہمیش سے مکالمہ، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، ص۳۷۷

۱۹۔ مبارک احمد، زمانہ عدالت نہیں اور دوسری نظمیں، (لاہور، نئی مطبوعات، ۱۹۶۵ء)، ص۸۰۔۸۱

۲۰۔ سجاد ظہیر، پیش لفظ: پگھلا نیلم، (کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۷۴ء)، ص۱۰

۲۱۔ عبدالرشید سے مکالمہ، مشمولہ: سہ ماہی ادبیات، ص۳۸۲

۲۲۔ محمد فخر الحق نوری، نثری نظم، ص۸۷ ۲۳۔ مخدوم منور، نثری نظم کی تحریک، ص۲۱

۲۴۔ محمد فخر الحق نوری، نثری نظم، ص۸۴ ۲۵۔ خاکسار حسین، دانائی کا شجر، (ملتان: مکتبہ شجر، س۔ن)، ص۱۔۲

۲۶۔ معظمہ امین، زوار حسین کی علمی و ادبی خدمات کا تحقیقی جائزہ، (ملتان: تحقیقی مقالہ برائے ایم۔اے اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۴ء)، ص۲

۲۷۔ عارف الاسلام صدیقی، جو میں نے دیکھا، مشمولہ: روزنامہ نوائے وقت، (ملتان: ۴/جولائی ۲۰۰۵ء)

۲۸۔ معظمہ امین، زوار حسین کی علمی و ادبی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص۳۰۲

۲۹۔ ایضاً، ص۳۰۲ ۳۰۔ خاکسار حسین، دانائی کا شجر، ص۲۔۳

۳۱۔ عارف الاسلام صدیقی، جو میں نے دیکھا، مشمولہ: روزنامہ نوائے وقت، (ملتان: ۴/جولائی ۲۰۰۵ء)

۳۲۔ معظمہ امین، زوار حسین کی علمی و ادبی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص۴

۳۳۔ ایضاً، ص۹ ۳۴۔ خاکسار حسین، دانائی کا شجر، ص۷

۳۵۔ زوار حسین، حروف، (ملتان: ناشر زوار حسین، ۱۹۷۲ء)، ص 'ش'